کرنل محمد خان کے سفر نامے "بجنگ آمد" میں مذہبی علامات و عناصر کا مطالعہ

A Study of Religious Symbols and Elements in *Colonel Muhammad Khan's* travelogue "*BajangĀmad*"

Badra Khatoon

Doctoral Candidate Urdu, AIOU, Islamabad

Dr. Sami Ullah

Lecturer in Arabic, University of Education, Lahore

Abstract

Colonel Muhammad Khan (1910-1999) is one of the renowned writers in Urdu literature. His unique style of writing has earned him a distinct status. This paper studies the religious symbols and elements in his famous travelogue "*BajangĀmad*". The study finds that the writer has beautifully depicted the religious elements and symbols of Islamic civilization and culture. "*BajangĀmad*" is one of the few books that received commendation on a large scale. Renowned critics of Urdu literature have applauded this book as a great feat achieved by the writer.

Key Words: Travelogue, Colonel Muhammad Khan, "*BajangĀmad*"

تمہید

اردو زبان ہمیشہ سے اسلامی تہذیب و تمدن کی علمبردار رہی ہے۔اس زبان کی آبیاری صوفیاے کرام کی خانقاہوں اور درباروں میں ہوئی ہے۔یہ زبان بر صغیر کے مسلمانوں کے صدیوں کے تہذیبی، مذہبی اور ثقافتی ورثے کی امین ہے۔اس کی اصناف سخن کو دیکھیں تو مذہبی عناصر و علامات کا ذکر عام ملتا ہے۔ادیب و شاعر خواہ وہ کسی بھی طبقہ فکر یا تحریک سے متاثر ہوں وہ اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ان کی تحریریں اسلامی تہذیب و تمدن کے ذکر سے خالی ہیں۔ حتیٰ کہ ترقی پسند ادیب جو مذہب کو اہمیت نہیں دیتے، ان کے ہاں بھی مذہبی عناصر کی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے۔ مختصراً مذہبی حوالے، تقریبات، مسائل اور تہذیبی عناصر کا اردو ادب کے خمیر سے گہرا تعلق ہے۔مزاح کے رنگ میں رنگے

اردو سفر ناموں میں بھی یہ مذہبی و تہذیبی علامات و عناصر عام ملتے ہیں۔اس مضمون میں کرنل محمد خان کے مشہور سفر نامے "بجنگ آمد" میں مذہبی علامات و عناصر کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔اس میں یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ ابتدا میں مذہبی حوالوں کے ذکر سے متعلق مصنف کے اپنے بیان اور مذہبی فرائض سے تعلق کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد "بجنگ آمد" میں سے مختلف مقامات پر موجود مذہبی عناصر کو مناسب ذیلی عنوانات کے تحت زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

مصنف کا مذہبی رجحان اور تحریر میں مذہبی علامات و عناصر کے تذکرے کا اقرار

"بجنگ آمد" میں خود مصنف کے یہاں ایک طرف مذہبی عناصر کے تذکرے کا اقرار ملتا ہے اور دوسری طرف مذہبی فرائض وغیرہ کی ادائیگی کے حوالے سے مصنف کے بیانات سے ان کے مذہبی رجحان کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کرنل محمد خان جو کہ پنجاب کے ایک مسلم زمیندار گھرانے کے چشم وچراغ اور آرمی کے ایک ذمہ دار افسر تھے۔ایک سپاہی کی جڑیں اپنی تہذیب اور مٹی میں پیوست ہوتی اور مذہبی روایت وعقائد اس کے رگ وپے میں سمائے ہوتے ہیں۔ انگریز افسران کی صحبت اور میدان کارزار کی دشواریاں اور سختیاں بھی ان کو اپنے مذہبی فرائض کی بجاآوری سے روک نہ سکیں۔ کرنل محمد خان اس موضوع کا ذکر ارادۃً نہیں کیا تھا۔جگ بیتی کے تذکرے کے دوران یہ علامات وعناصر ابھر کر قاری کے سامنے آتے ہیں۔بقول کرنل محمد خان : "اس کتاب میں تصوف، فقہ یا علم الکلام پر دانستہ کوئی بحث نہیں کی گئی۔ان میں صرف ان باتوں کا ذکر ملتا ہے جو سکینڈ لیفٹینوں کو اپنی زندگی خصوصاً فوجی زندگی میں پیش آتی ہیں۔ تاہم اس کتاب میں جہاں جنگ وجدل کا قصہ ہے ،وہاں عیش و سرور کی باتیں بھی ہیں۔ جہاں زہد و تقوی کا ذکر ہے۔ وہاں ناؤنوش کے قصے بھی ہیں جہاں رکوع و سجود کا بیان ہے، وہاں رقص وسرور کی داستان بھی ہے۔"[1]

کرنل محمد خان کوئی صوفی نہیں تھے اور نہ ہی بجنگ آمد کا مقصد کسی بلند پایہ فلسفے اور صوفیانہ فکر کی تشہیر تھا، لیکن گھر اور وطن سے دوری، انگریز افسران کے تعصب اور میدان کارزار کے ماحول کے سبب ان کی تحریروں میں مذہب سے نزدیکی اور اسلامی روایات کا تذکرہوا ہے۔ جرمنی کے خلاف جنگ کے دوارن جب انھیں حکم ملا کہ وہ اپنے کواٹروں میں سو سکتے ہیں تو انھوں نے لباس تبدیل کیااور بقول ان کے "نماز پڑھی اور ایک میٹھی نیند کی ابتدا کی۔"[2] گویا حالات کی سنگینی میں بھی ان کا دینی احکام کی بجاآوری میں رکاوٹ کا باعث نہ بن سکی اور وہ مذہبی فرائض ادا کرتے رہے۔اسی طرح بصرہ میں قیام کے دوران وہ عید کی نماز کے اہتمام کے لیے تگ ودو کرتے دکھائی دیتے ہیں۔مثلاً: "عید کا دن تھااور برادر عزیز اصغر مصر ہوئے کہ بصرہ کی مسجد میں جاکر نماز عیدادا کریں گے۔ "پہلی مسجد کے دروازے پر پہنچے تو قفل پڑاتھا۔ خانہ خدا اور مقفل چلو کوئی مصلحت ہوگی۔ دوسری مسجد میں گئے خیر سے کھلی تھی وضو کرکے اندر داخل ہوئے، نماز پڑھی اور باہر آگئے۔[3]

عربی فارسی زبان میں دسترس

عربی زبان چونکہ قرآن کی زبان ہے ،اس لیے مسلمانوں کے لیے قابل احترام اور قابل تقدیس ہے۔ کرنل محمد خان عربی اور فارسی زبان میں بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ قرآن پڑھنے والا معنی و مفہوم سے ناآشنا ہونے کے باوجود پوری

مہارت اور روانی سے عربی زبان میں لکھی گئی عبارت کو پڑھ، لکھ اور کسی حد تک سمجھ بھی سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے کیارہ کے قیام کے دوران کرنل محمد خان نے عربی کتاب فرفر پڑھ ڈالی تو برگیڈیئر صاحب حیران رہ گئے، اور جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ کرنل صاحب کی عربی دانی کی وجہ مسلمانی ہے، تو انھوں نے اس پر الحمداللہ کہا۔ انھیں مزید حیرت ہوئی۔ جب انھیں کرنل صاحب کی فارسی زبان میں دلچسپی کا پتا چلا کہ انھوں نے کالج کے زمانے میں فارسی پڑھی تھی، اس کے اثرات ہمیں بجنگ آمد میں بکھرے ہوئے خوب صورت اشعار کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے افسر برگیڈیئر صاحب ان کی عربی دانی کے تو معترف تھے ہی لیکن ایک سوال کے جواب نے تو انھیں ان کی فارسی دانی کا بھی گرویدہ کر دیا اور انھی کی ایما پر کرنل محمد خان نے بغداد میں جا کر فارسی کا امتحان دیا اور کامیاب ہو کر 600 روپے انعام کے حق دار ٹھہرے۔ اپنے جذبات واحساسات کی ترجمانی کے لیے وہ فارسی زبان کے اشعار کو بھی بطور نمونہ ومثال پیش کرتے ہیں۔ مثلاً شائبہ کے ریگزاروں کی تپش اور شجر سایہ دار سے محرومی کو وہ شیخ سعدی شیرازی کے شعر کی صورت میں پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر شیخ سعدی شیرازی کا گزر شائبہ کے اس ریگ زار سے ہوتا تو ان کے تاثرات وجذبات اس شعر کے برعکس ہوتے:

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار[4]

عراق کے صحرا ہ کیارہ میں پرندوں اور غزال کی فراوانی کی وجہ سے شکار کرنے سے شکاری کو کسی قسم کی مہارت درکار نہیں تھی، بقول کرنل محمد خان شکار کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ بندوق اٹھا کر فقط کیمپ سے باہر نکلنے کی تکلیف کرنا پڑتی تھی۔ اس کے بعد یوں محسوس ہوتا تھا کہ امیر خسرو کہیں سے آواز دے رہے ہیں:

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف با امید آں کہ روزے بہ شکار خواہی آمد[5]

یعنی شکار کا انداز یہ تھا کہ شکاری جیپ میں بندوق تانے بیٹھے ہیں کہ بیسیوں آہو سربکف سامنے آتے ہیں۔ شکاری جیپ میں بیٹھے ہی مشق فرماتے ہیں اور وہ پیکر وفا یکے بعد دیگرے خون دوعالم اپنی گردن پر لیتے ہیں۔ جیپ کے ٹائروں میں ڈھیر ہو جاتے اور اردلی اٹھا کر دوسری جیپ میں کشتوں کے پشتے لگا دیتے۔ فوج کی زندگی کی تلخیوں اور دشواریوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے ایک خاص ذہنی کیفیت کی ضرورت ہوتی ہے اور زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لیے ذوق سلیم درکار ہوتا ہے جو کہ کرنل محمد خان کی شخصیت میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ کرنل محمد خان میدان کارزار میں بھی زعفران زار پیدا کرنے کے ہنر سے بخوبی واقف ہیں۔ اس لیے اس کیفیت کی ترجمانی یوں کرتے ہیں:

منعم بکوہ ودشت وبیابان غریب نیست ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت[6]

اقبال کے حوالے

علامہ اقبال کا شمار اردو کے نابغہ روزگار شعرا میں ہوتا ہے۔ آپ مفکر اسلام، اور اسلامی تہذیب وثقافت اور اس کے احیا کے علمبردار ہیں۔ اس تناظر میں اقبال کا حوالہ بھی فی الواقع ایک مذہبی حوالہ ہے۔ آپ کی شاعری آفاقیت کا درجہ رکھتی ہے،

یہی وجہ ہے کہ ڈیڑھ سو برس کا عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی ہر عالم، مفتی، شاعر، ادیب، مقرر، سیاست دان کے جذبات وخیالات کے اظہار کا وسیلہ بنتی چلی جارہی ہے۔ کرنل محمد خان نے اپنے عہد لفٹنی کی آپ بیتی جسے کہ وہ جنگ بیتی کہتے ہیں کہ بیان کو پراثر اور دل نشین بنانے کے لیے علامہ اقبال کے اشعار اور نظم و غزل کے مصرعوں سے بھرپور استفادہ کیا ہے اس عمل نے ان کے سفر نامے کو چار چاند لگادیے ہیں اور اس سفر نامے کو خاصے کی چیز بنادیا ہے۔ لفٹینوں کے ساتھ دوران ٹریننگ کیے جانے والے ناروا سلوک اور عہد لفٹینی کے درد اور کرب اور لفٹیٹوں کی قربانیوں کو جس قدر حسین منظر کشی کرنل محمد خان نے اقبال کے اس مصرعے کی صورت میں کی ہے یہ انھیں کا انداز اور خاصا ہے لکھتے ہیں: ع بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن دیدہ ور پیدا۔[7] اس مصرعے سے کرنل محمد خان نے ایک لفٹین کی ٹریننگ کی زندگی کی جو منظر کشی کی ہے۔ گویا انھوں نے دریا کو کوزے میں بند کردیا ہے۔ کچھ نہ کہہ کر بھی وہ سب کچھ کہہ گئے ہیں اور وہ سارے درد اور ساری ریاضتیں جو لفٹینی کے حصول کے لیے ایک کیڈٹ کو برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس مصرعے میں امڈ آتی ہیں اور پڑھنے والے کو یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی کہ یہ عشق اتنا آسان نہیں۔ یہ ایک آگ کا دریا ہے اور منزل پر پہنچنے کے لیے ہر کیڈٹ کو اسے عبور کرنا پڑتا ہے۔ دتاخیل میں جنگی محاذ پر قبائلیوں سے جنگ واقعی ہی ایک کٹھن مرحلہ تھا۔ انگریز افسران عموماً تعصبیت کا ثبوت دیتے ہوئے مسلم یا ہندو فوجیوں کو ہی ایسے محاذ پر روانہ کیا کرتے تھے۔ انگریز کی یہ تعصبیت یہاں بھی ان کے دامن گیر تھے اور ہندو مسلم ان کے مظالم کی آگ میں جل رہے تھے اور انگریز سرکار کے ملازم ہونے کی وجہ سے وہ کسی بھی مشن یا محاذ پر جانے سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ دتاخیل بھی ایک ایسا ہی جنگی محاذ تھا جہاں ہر طرف سے دشمن کی جانب سے تابڑ توڑ حملے جاری تھے۔ اس محاذ میں جان گنوانے کا خطرہ بھی ہر دم فوجوں کے پیش نظر تھا اس محاذ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مقام عقل سے آسان گزر گیا اقبال مقام شوق میں کھو گیا وہ فرزانہ[8]

انگریز افسران کے تعصب کا پردہ چاک کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

تیری دنیا میں میں مجبور و محکوم میری دنیا میں تیری پادشاہی[9]

عرب عراق تہذیب اور اس کے مظاہر

اہل عرب سے مسلمانوں کا مذہبی عقیدت واحترام کا رشتہ ہے۔ عربی کی فضیلت دیگر زبانوں پر اس لیے مقدم ہے کہ یہ قرآن و حدیث کی زبان ہے یہ میرے آقا دوجہاں تاجدار مدینہ کی زبان ہے۔ اس زبان اور اس کے بولنے والوں یعنی عرب و عجم اہل عرب جو کہ مشرق وسطیٰ کے باسی ہیں کے لیے ہم مسلمانوں کے دلوں میں پیدائشی احترام ہے اور کسی بھی نازیبا اور غیر اخلاقی بات کو عربوں سے منسوب کرنا ہمارے لیے ایسے ہی ہے جیسے کہ کوئی گناہ کبیرہ اور تو اور اس سے ہماری مسلمانی کے خطرے میں پڑھنے کا گمان ہونے لگتا ہے۔ اس میں قصور دراصل عربوں کا نہیں ہے، ہمارا ہے کیونکہ بقول کرنل محمد خان ہم نے انھیں محض عرب ہونے کی وجہ سے تقدیس کی روئی میں لپیٹ کر رکھا ہے اور ہم ان سے

سوائے اس کے توقع ہی نہیں کر سکتے کہ صبح اٹھیں، وضو کریں اور دن بھر اذانیں دیتے رہیں یا نفل ادا کرتے رہیں ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ عرب بھی ہماری طرح گوشت پوست کے انسان ہیں اور ان کے سینے میں بھی دھڑکنے والا دل ہے، جو وقتاً فوقتاً بھر بھی آتا ہے، بلکہ جغرافیائی مجبوریوں سے کچھ زیادہ ہی بھر آتا ہے۔ان سے بھی خطائیں سرزد ہو سکتیں ہیں لیکن ہم اس بات کو ماننے کو تیار ہیں ہوتے کیوں کہ ہماری تقدس کی یہ عمارت ہماری مذہبی عقیدت پر استوار ہے۔اس سوچ کو بدلنے کا احساس ہمیں کرنل محمد خان کے ہاں ملتا ہے وہ لکھتے ہیں: "گویا دل کے معاملے میں عرب بھائی بالکل ہماری طرح کے بے بس ہیں اور ان سے تھوک نیکیوں کی توقع صریحاً زیادتی ہے۔"[10]

جنگ کے دنوں میں بغداد غربت اور اخلاقی زبوں حالی کا شکار تھا مفلسی کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کے پاس پاؤں میں پہننے کے لیے جوتے تک نہ تھے۔ جنگ اور اس کے نتیجے میں انتہائی غربت اور مفلسی کے سبب اخلاق کے بندھن بھی کسی قدر ڈھیلے ہو چکے تھے اور بغداد کا ماحول بھی اخلاقی انحطاط کا منظر پیش کر رہا تھا۔اخلاقی بے راہ روی اور بے حیائی عروج پر تھی۔اس ماحول کی تصویر کشی کرتے ہوئے کرنل محمد خان لکھتے ہیں: "بغداد کا ماحول بھی اخلاقی صحت کے لیے ایسا سازگار نہ تھا بلکہ دل و نظر کا سفینہ سنبھالنے کے لیے خاصی کوشش کرنا پڑتی تھی۔"[11] لیکن وہ عربوں کی ایک صفت کے قائل ہیں اور وہ ہے قراءت۔ کرنل محمد خان کے نزدیک جو چیز انھیں سب سے زیادہ منفرد کرتی ہے۔عرب قاری کی آواز میں ایک جادو ہے،اور لے میں ایک سحر۔یہی وجہ ہے کہ قرآن سننے والا وجد میں آ جاتا ہے، لیکن کرنل محمد خان کو اہل عرب بالخصوص عراقیوں کے طریقہ نماز اور اس کی ادائیگی نے حیرت میں مبتلا کر دیا، کیونکہ ایک مسلمان کے لیے نماز اس کے خالق حقیقی کے سامنے عاجزی کے ساتھ حاضری اور قرب کا وسیلہ ہے۔اس حکم کی بجا آوری کے دوران وہ دنیا و مافیا کو یکسر خود سے دور کر دیتا ہے اور خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے مالک کے دربار میں حاضر ہوتا ہے، لیکن بغداد کے عرب نمازیوں کی نماز صرف نماز ایک Ritual تھی۔ ان کے یہاں نماز کی ادائیگی کے دوران سر پھیر کر دائیں بائیں دیکھنا کوئی معیوب بات نہ تھی۔ عید کی باجماعت نماز کا تصور بھی نادارد تھا ہر کوئی انفرادی طور پر عید کی نماز ادا کر رہا تھا، لیکن ان سب سے بڑھ کر جس چیز نے کرنل محمد خان کو حیرت اور وحشت کے احساس میں مبتلا کیا وہ ایک بوڑھی عورت کی نماز کی ادائیگی تھی۔ جس کا ذکر وہ یوں کرتے ہیں: "ایک بوڑھی سی خاتون جو التحیات میں ہیں، دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ایک سلگتا سگریٹ تھام رکھا ہے اور وقتاً فوقتاً نہایت تسلی بخش سا کش لگا لیتی ہیں اور خانہ خدا میں نیلے دھوئیں کے مرغولے اور محرابیں تعمیر کر رہی ہیں، حیران تھے لیکن کیا کہہ سکتے تھے۔"[12]

مقاماتِ مقدسہ کا ذکر

مقامات مقدسہ جیسے کے نام سے ہی ظاہر ہے ہمیشہ سے مسلمانوں کے لیے قابل تقدیس رہے ہیں۔ان کا ذکر آتے ہی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں اور نظریں فرط عقیدت سے جھک جاتی ہیں۔ان سے وابستہ ہستیوں کا تصور کرکے ہمارے جذبات کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے اور ہمارے دل و دماغ کو ان ہستیوں کی نسبت کا احساس معطر کرنے لگتا ہے۔خواہ ذکر حرم

کعبہ کا ہو یا مدینہ منورہ کا، کربلائے معلیٰ کا، صحابہ کرام اور اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری کا روحانی و مذہبی عقیدت سے بھرپور جذبات کا امڈ آنا فطری امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بغداد کے انحطاط پذیر ماحول میں جب انھیں امیر المومنین حضرت امام حسین کے روضے پر حاضری کا موقع ملتا ہے، تو ان کی آنکھیں وفور جذبات سے بھر آتی ہیں۔ یہ منظر ان کی اپنی زبانی ملاحظہ ہو: "بالآخر حضرت امام حسینؓ کے روضہ میں اداخل ہوئے، جہاں نہ صرف ان لونڈوں سے امان ملی بلکہ یوں محسوس ہوا جیسے تمام ذہنی و روحانی آلائشوں کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ فاتحہ پڑھی اور دیر تک مقبرے کی جالی تھامے کھڑے رہے۔ یہ مقام ہے جہاں آنکھیں تر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔"[13]

اپنے ساتھی لفٹین کی عقیدت و احترام کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ محض اس لیے روضہ امام عالی مقام امام حسینؓ پر حاضری کے لیے فوری طور پر آگے نہ بڑھے کیونکہ بقول کرنل محمد خان ان کا کہنا تھا: "امیر المومنین کے روضے میں جانے سے پہلے خیرات بانٹنی لازم ہے۔"[14] برصغیر پاک و ہند میں اولیاء اللہ کے مزارات پر نذر و نیاز دینا اور خیرات دینا ایک روایت ہے۔ کرنل محمد خان کے ساتھی لفٹین بھی اسی روایت کو عقیدت و احترام سے نبھاتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ ضروری تھا۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے بعد وہ زیارت کے شرف سے فیض یاب ہوئے اس کے بعد کاظمین کی زیارت کا ذکر ملتا ہے، جس کی سعادت کرنل محمد خان کو بغداد کے قیام کے دوران حاصل ہوئی۔ الغرض کہ ان محترم ہستیوں کے دربار میں حاضری کا تصور ہی بر کیف ہے اور کرنل محمد خان کی حاضری کا اشتیاق بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

ماں، مٹی اور وطن سے محبت

مذہبی نقطۂ نظر سے ماں اور وطن کی مٹی دونوں انسان کے لیے قابل احترام ہوتی ہے۔ کیوں کہ ایک ماں انسان کے دنیا میں آنے پر اس کو اپنی ممتا بھری آغوش میں سمیٹ لیتی ہے اور دوسری ماں دنیا سے رخصت ہونے پر اسے اپنی آغوش میں جگہ دیتی ہے۔ اس لیے ہر دو سے محبت انسان کے خمیر میں شامل ہے۔ وطن اور ماں سے دوری اس احساس کو اور بڑھا دیتی ہے۔ اس احساس کا تعلق آفاقی جذبے سے ہے۔ یہ جذبہ سرحدوں کا محتاج نہیں دنیا کا کوئی بھی خطہ ہو اور اس میں بسنے والا کوئی بھی انسان ہو وہ ان احساسات و جذبات سے عاری نہیں۔ کرنل محمد خان کے ہاں بھی ان آفاقی جذبات کا اظہار برملا طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ سیدی رزیغ کے محاذ جنگ پر جب انھیں گمشدہ بٹالین کی کھوج کے لیے روانہ کیا جاتا ہے جو کہ ایک پر خطر مشن ہے ایسے میں کرنل محمد خان کو بقول ان کی زبانی: "ہمیں وہ ہاتھ یاد آئے جو ہمارے بازو پر امام ضامن باندھا کرتے تھے۔"[15]

ہمارے پنجاب کے اکثر دیہاتوں میں مائیں، بہنیں اور بیویاں گھر کے بچوں اور مردوں کے کسی سفر پر جانے سے پہلے حضرت امام رضا کی نیاز روپیہ مسافر کے بازو پر باندھ دیتی ہیں۔ محاذ جنگ پر کرنل محمد خان کو اپنی والدہ کی کمی کا احساس شدت سے محسوس ہوا۔ ان کے دل میں اس خیال نے جنم لیا کہ اگر وہ قریب ہوتیں تو بیٹے کو اس پر خطر محاذ پر جانے سے قبل امام ضامن ضرور باندھ دیتیں۔ اگر ماں کی محبت کا کوئی نعم البدل نہیں ہے تو وطن کی مٹی اور اس مٹی سے وابستہ

محبت کی نعم البدل کیسے ہو سکتا ہے۔ وطن کی محبت کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ کرنل محمد خاں کے یہاں وطن کی محبت کا تذکرہ بھی بار بار ملتا ہے۔ جب وہ محاذ جنگ سے واپس وطن لوٹتے ہیں تو وطن کی سرزمین پر نظر پڑتے ہی ان کی آنکھیں وفور جذبات سے چھلکنے لگتی ہیں اور ایسے میں وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتے اور کہتے ہیں: "جب خاکِ وطن پر پاؤں رکھا تو خدا جانے کتنی دیر احساس رہا کہ پاؤں کی بجائے جبین کیوں نہ رکھ دی۔[16]

وطن کی محبت کے جذبے کا تعلق روح سے ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک یا خطے میں بسنے والا شخص اپنے ملک ومذہب کی محبت سے عاری نہیں ہو سکتا۔ پردیس پردیس ہوتا ہے اور وطن وطن۔ وطن میں اپنوں کا ساتھ اور شناسا ماحول ہوتا ہے۔ غم اور خوشی سانجھی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ وطن کو لوٹنے پر محاذ جنگ کی تمام تر سختیاں اور دشواریاں یک لخت بھول کر کرنل محمد خان کی آنکھیں وفور جذبات اور وطن کے احترام عقیدت کے سبب بھر آئیں۔اسی طرح وطن واپس لوٹنے پر عزیز واقارب بالخصوص والدہ کا شفقت اور محبت سے بھرپور استقبال کرنل محمد خان کا یہ کہنا کہ: " میں والدہ کو دیکھتا اور سوچتا کہ اگر اس پیکر محبت کا وجود نہ ہوتا تو کیا مجھے وطن کی واپسی کا یہی اشتیاق ہوتا۔"[17]

ان جملوں میں احساس ومحبت کا ایک جہاں سمٹا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ایک والدہ کی آنکھیں بچوں کے واپس لوٹنے کے انتظار میں ہر وقت دروازے پر لگی ہوتی ہیں اور اس کی روح کو چین اور قرار ولاد کو دیکھے بغیر نہیں آتا۔کیا یہ جذبہ آفاقی نہیں کیا ہر خطے میں بسنے والی ماں کے دل میں محبت کا جذبہ ایسا نہیں ہوتا تو جواب یہی ملے گا کہ ماں تو ماں ہوتی ہے۔ خالق کائنات نے جب مخلوق کے لیے اپنی شفقت کو بیان کرنا چاہا تو مثال ماں کی محبت سے دی کہ ماں سے بھی ستر گنا وہ رحیم ومہربان ہے تو بھلا یہ جذبہ آفاقی کیسے نہیں ہو سکتا۔اسی طرح کرنل محمد خان کی والدہ کا معصومیت اور سادگی سے یہ پوچھنا کہ "بیٹا اب ساری فوج میں تم ہی بڑے افسر ہو نا؟"[18] ایک ماں کی محبت ہی تو ہے۔کیونکہ ہر والدہ کی نظر میں اس کا بیٹا جرنیل ہی ہوتا ہے اور کرنل محمد خان ایک تابع فرماں بیٹے کی طرح یہ کہنا کہ: "جی ماں ایک آدھ چھوڑ کر سب مرے ماتحت ہیں اور ماں کی دنیا آباد ہو گئی۔"[19] گویا ان لفظوں میں ایک بیٹے اور ماں کی محبت اپنی انتہا پر نظر آتی ہے۔یہ سارے جذبے اور احساس کسی حد بندی کے قائل نہیں ہیں۔ یہ جذبے ہمہ گیر ہیں اور ان کی سچائی اور آفاقیت مسلم ہے کیونکہ یہ جذبے ماں سے وابستہ ہیں۔

خلاصۂ بحث

کرنل محمد خان نے "بجنگ آمد" جہاں دوسری جنگ عظیم کی ہلاکت خیزیوں اور ہولناکیوں کے دوران میں اعصاب شکن حالات میں شگفتہ مزاجی سے زندگی کے مختلف رنگوں اور پہلوؤں کو بیان کیا وہاں مذہب اور مذہبی حوالے بھی جگہ جگہ پیش کیے ہیں۔ کرنل محمد خان کوئی صوفی نہیں تھے اور نہ ہی بجنگ آمد کا مقصد کسی بلند پایہ فلسفے اور صوفیانہ فکر کی تشہیر تھا۔ لیکن گھر اور وطن سے دوری، انگریز افسران کے تعصب اور میدان کارزار کے ماحول کے سبب ان کی تحریروں میں مذہب سے نزدیکی اور اسلامی روایات کا تذکرہ فطری تھا۔حالات کی سنگینی و تلخی اور وطن سے دوری میں مذہب ہی مضبوط

پناہ اور ڈھال ہوتا ہے۔ حالات کی سنگینی میں بھی ان کے دینی احکام کی بجاآوری میں رکاوٹ کا باعث نہ بن سکی اور وہ مذہبی فرائض ادا کرتے رہے۔ مختصر یہ کہ "بجنگ آمد" میں دیگر خوبیوں کے ساتھ ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ اس کا قاری نہ صرف واقعات میں گہری دلچسپی لیتا ہے، بلکہ اسے ایک خاص روحانی و مذہبی تسکین بھی حاصل ہوتی ہے۔

References

[1]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad* (Lahore: Ghālib Publishers, 1992), 14.

[2]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 154.

[3]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 94.

[4]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 62.

[5]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 83.

[6]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 102.

[7]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 32.

[8]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 50.

[9]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 119.

[10]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 93.

[11]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 95.

[12]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 94.

[13]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 95.

[14]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 96.

[15]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 109.

[16]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 179.

[17]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 180.

[18]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 180.

[19]Colonel Muhammad Khan, *Bajang Āmad,* 180.